پطرس بخاری

ولادت: ۱۸۹۸ء | وفات: ۱۹۵۸ء

پطرس بخاری کا اصل نام سید احمد شاہ بخاری اور والد کا نام سید اسد اللہ تھا۔ پطرس بخاری پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پشاور سے حاصل کرنے کے بعد لاہور چلے گئے اور گورنمنٹ کالج لاہور سے انگریزی میں ایم ۔اے کیا اور پھر کیمبرج یونیورسٹی انگلینڈ سے آنرز کیا۔ واپس آ کر کچھ عرصے گورنمنٹ کالج میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ آل انڈیا ریڈیو کے قیام کے بعد وہ ریڈیو سے منسلک ہو کر دہلی چلے گئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد واپس لاہور آئے تو انھیں گورنمنٹ کالج لاہور کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ پطرس بخاری اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل بُوتے پر ترقی کرتے گئے اور یو۔این۔او (اقوامِ متحدہ) میں پاکستان کے مندوب مقرر ہوئے۔ اچانک حرکتِ قلب بند ہونے کی وجہ سے یہ مایۂ ناز مزاح نگار اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔

پطرس مرحوم کی شخصیت کے مختلف پہلو ہیں ۔لیکن اُن کی ایک مختصر سی کتاب "پطرس کے مضامین" نے انھیں وہ شہرت عطا کی کہ وہ اُردو ادب کی تاریخ میں زندۂ جاوید ہو گئے۔اُن کی تحریریں اُن کی شگفتہ شخصیت، وسیع مطالعہ اور عالمی ادب سے شناسائی کی عکاس ہیں۔اُن کی طبعی بے تکلفی اور علمی بصیرت ہر جگہ گُل کھلاتی ہے۔روزمرہ زندگی سے مزاح کے پہلو تلاش کرنا اُن کے لیے معمول کی بات ہے۔وہ اپنے مخصوص انداز سے ہماری مزاحیہ حِس کو متحرک کرتے چلے جاتے ہیں۔ بلا شبہ وہ نہ صرف ایک عظیم انسان بلکہ عظیم فنکار بھی تھے۔

تصانیف: کلیاتِ پطرس نثر۔ پطرس کے مضامین

مرید پور کا پیر

اکثر لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ میں اپنے وطن کا ذکر کبھی نہیں کرتا۔ بعض اس بات پر بھی حیران ہیں کہ میں اب کبھی اپنے وطن کو نہیں جاتا۔ جب کبھی لوگ مجھ سے اس کی وجہ پوچھتے ہیں تو میں ہمیشہ بات ٹال دیتا ہوں۔ اس سے لوگوں کو طرح طرح کے شبہات ہونے لگتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے: وہاں اس پر ایک مقدمہ بن گیا تھا۔ اس کی وجہ سے روپوش ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ وہاں کہیں ملازم تھا۔ غبن کا الزام لگا۔ ہجرت کرتے ہی بنی۔ کوئی کہتا ہے: والد اس کی بدعنوانیوں کی وجہ سے گھر میں نہیں گھسنے دیتے ۔غرض یہ کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ آج میں ان سب غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے والا ہوں۔ خدا آپ پڑھنے والوں کو انصاف کی توفیق دے۔

قصہ میرے بھتیجے سے شروع ہوتا ہے۔ میرا بھتیجا یوں دیکھنے میں عام بھتیجوں سے مختلف نہیں۔ میری تمام خوبیاں اس میں موجود ہیں اور اس کے علاوہ نئی پود سے تعلق رکھنے کے باعث اس میں بعض فالتو اوصاف نظر آتے ہیں لیکن ایک صفت تو اس میں ایسی ہے کہ آج تک ہمارے خاندان میں اس شدت کے ساتھ کبھی رونما نہ ہوئی تھی۔ وہ یہ کہ بڑوں کی عزت کرتا ہے اور میں اس کے نزدیک بس علم وفن کا ایک دیوتا ہوں۔ یہ خبط اس کے دماغ میں کیوں سمایا ہے؟ اس کی وجہ میں یہی بتا سکتا ہوں کہ نہایت اعلیٰ سے اعلیٰ خاندانوں میں بھی کبھی کبھی ایسا دیکھنے میں آجاتا ہے۔ میں نے شائستہ سے شائستہ دودمانوں کے فرزندوں کو بعض اوقات بزرگوں کا اس قدر احترام کرتے دیکھا ہے کہ اُن پر نیچ ذات کا دھوکا ہونے لگتا ہے۔

ایک سال مَیں کانگریس کے جلسے میں چلا گیا۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ کانگریس کا جلسہ میرے پاس چلا آیا۔ مطلب یہ کہ جس شہر میں، مَیں موجود تھا وہیں کانگریس والوں نے بھی اپنا سالانہ اجلاس منعقد کرنے

کی ٹھان لی۔ میں پہلے بھی اکثر جگہ یہ اعلان کرچکا ہوں اور اب بھی بہانگِ دہل یہ کہنے کو تیار ہوں کہ اس میں میرا ذرا بھی قصور نہ تھا۔ بعض لوگوں کو یہ شک ہے کہ میں نے محض اپنی تسکینِ نخوت کے لیے کانگریس کا جلسہ اپنے پاس ہی کرالیا۔ لیکن یہ محض حاسدوں کی بدنیتی ہے۔ بھانڈوں کو میں نے اکثر شہر میں بلوایا ہے۔ دو ایک مرتبہ بعض تھیٹروں کو بھی دعوت دی ہے لیکن کانگریس کے مقابلے میں میرا رویہ ہمیشہ ایک گمنام شہری کا سا رہا ہے۔ بس اس سے زیادہ میں اس موضوع پر کچھ نہ کہوں گا۔

جب کانگریس کا سالانہ اجلاس بغل میں ہو رہا ہو تو کون ایسا شقی ہوگا جو وہاں جانے سے گریز کرے۔ زمانہ بھی تعطیلات اور فرصت کا تھا۔ چنانچہ میں نے شغلِ بیکاری کے طور پر اس جلسے کی ایک ایک تقریر سنی۔ دن بھر تو جلسے میں رہتا۔ رات کو گھر آکر اس دن کے مختصر سے حالات اپنے بھتیجے کو لکھ بھیجتا تاکہ سند رہے اور وقتِ ضرورت کام آئے۔

بعد کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بھتیجے صاحب میرے ہر خط کو بے حد ادب و احترام کے ساتھ کھولتے بلکہ بعض بعض باتوں سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اس افتتاحی تقریب سے پیشتر وہ باقاعدہ وضو بھی کر لیتے۔ خط کو خود پڑھتے۔ پھر دوستوں کو سناتے پھر اخباروں کے ایجنٹ کی دکان پر مقامی لال بجھکڑوں کے حلقے میں اس کو خوب بڑھا چڑھا کر دُہراتے۔ پھر مقامی اخبار کے بے حد مقامی ایڈیٹر کے حوالے کر دیتے۔ جو اسے بڑے اہتمام کے ساتھ چھاپ دیتا۔ اس اخبار کا نام "مرید پور گزٹ" ہے۔ اس کی مکمل فائل کسی کے پاس موجود نہیں۔ وہ مہینے تک جاری رہا۔ پھر بعض مشکلات کی وجہ سے بند ہوگیا۔ ایڈیٹر صاحب کا حلیہ حسب ذیل ہے۔

رنگ گندمی، گفتگو فلسفیانہ، شکل سے چور معلوم ہوتے ہیں۔ کسی صاحب کو ان کا پتہ معلوم ہو تو مرید پور کی خلافت کمیٹی کو اطلاع پہنچا دیں اور عند اللہ ماجور ہوں نیز کوئی صاحب ان کو ہرگز ہرگز کوئی چندہ نہ دیں ورنہ خلافت کمیٹی ذمہ دار نہ ہوگی۔

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ اس اخبار نے میرے ان خطوط کے بل پر اپنا ایک "کانگریس نمبر" بھی نکال مارا۔ جو اتنی بڑی تعداد میں چھپا کہ اس کے اوراق اب تک بعض پنساریوں کی دکانوں پر نظر آتے ہیں۔

NOT FOR SALE

بہرحال مرید پور کے بچے بچے نے میری قابلیت، انشا پردازی، صحیح الدماغی اور جوشِ قومی کی داد دی۔ میری اجازت اور میرے علم کے بغیر مجھے مرید پور کا قومی لیڈر قرار دیا گیا۔ ایک دو شاعروں نے مجھ پر نظمیں بھی لکھیں جو وقتاً فوقتاً مرید پور گزٹ میں چھپتی رہیں۔

میں اپنی اس عزت افزائی سے محض بے خبر تھا۔ سچ ہے: خدا جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ میں نے اپنے بھتیجے کو محض چند خطوط لکھ کر اپنے ہم وطنوں کے دل میں اس قدر گھر کر لیا ہے اور کسی کو کیا معلوم تھا کہ یہ معمولی سا انسان جو ہر روز چپ چاپ سر نیچا کیے بازار میں سے گزر جاتا ہے۔ مرید پور میں پوجا جاتا ہے۔ میں وہ خطوط لکھنے کے بعد کانگریس اور اس کے تمام متعلقات کو قطعاً فراموش کر چکا تھا۔ مرید پور گزٹ کا میں خریدار نہ تھا۔ بھتیجے نے میری بزرگی کے رعب کی وجہ سے کبھی بر سبیلِ تذکرہ اتنا بھی نہ لکھ بھیجا کہ آپ لیڈر ہوگئے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ مجھ سے یوں کہتا تو برسوں تک اس کی بات میری سمجھ میں نہ آتی۔ لیکن بہرحال مجھے کچھ تو معلوم ہوتا کہ میں ترقی کر کے کہاں سے کہاں تک پہنچ چکا ہوں۔

کچھ عرصے بعد خون کی خرابی کی وجہ سے ملک میں جا بجا جلسے نکل آئے جس کسی کو ایک میز ایک کرسی اور ایک گلدان میسر آیا۔ اسی نے جلسے کا اعلان کر دیا۔ جلسوں کے اس موسم میں ایک دن مرید پور کی "انجمن نوجوانانِ ہند" کی طرف سے میرے نام اس مضمون کا ایک خط موصول ہوا۔ کہ آپ کے شہر کے لوگ آپ کے دیدار کے منتظر ہیں۔ ہر کہ وِمہ آپ کے روئے انور کو دیکھنے اور آپ کے پاکیزہ خیالات سے مستفید ہونے کے لیے بے تاب ہے۔ مانا ملک بھر کو آپ کی ذاتِ بابرکات کی از حد ضرورت ہے لیکن وطن کا حق سب سے زیادہ ہے۔ کیونکہ:

ع خارِ وطن از سنبل و ریحاں خوشتر

اس طرح کی تین چار براہینِ قاطع کے بعد مجھ سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ آپ یہاں آ کر لوگوں کو ہندو مسلم اتحاد کی تلقین کریں۔

خط پڑھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی لیکن جب ٹھنڈے دل سے اس پر غور کیا تو رفتہ رفتہ

NOT FOR SALE

باشندگانِ مرید پور کی مردم شناسی کا قائل ہوگیا۔

میں ایک کمزور انسان ہوں اور پھر لیڈری کا نشہ ایک لمحہ ہی میں چڑھ جاتا ہے۔ اس ایک لمحے کے اندر مجھے اپنا وطن بہت ہی پیارا معلوم ہونے لگا۔ اہلِ وطن کی بے حسی پر بڑا ترس آیا۔ ایک آواز نے کہا کہ ان بچاروں کی بہبودی اور رہنمائی کا ذمہ دار تو ہی ہے۔ تجھے خدا نے تدبّر کی قوت بخشی ہے۔ ہزار ہا انسان تیرے منتظر ہیں۔ اٹھ کہ سیکڑوں لوگ تیرے لیے ماحضر لیے بیٹھے ہوں گے۔ چنانچہ میں نے مرید پور کی دعوت قبول کرلی اور لیڈرانہ انداز میں بذریعہ تار اطلاع دی کہ پندرہ دن کے بعد فلاں ٹرین سے مرید پور پہنچ جاؤں گا۔ سٹیشن پر کوئی شخص نہ آئے۔ ہر ایک شخص کو چاہیے کہ اپنے اپنے کام میں مصروف رہے۔ ہندوستان کو اس وقت عمل کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد جلسے کے دن تک میں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اپنی ہونے والی تقریر کی تیاری میں صرف کردیا۔ طرح طرح کے فقرے دماغ میں صبح و شام پھرتے رہے۔

''ہندو اور مسلم بھائی بھائی ہیں۔''

''ہندو اور مسلم شیر و شکر ہیں۔''

''ہندوستان کی گاڑی کے دو پہیے۔ اے میرے دوستو! ہندو اور مسلمان ایک ہی تو ہیں''

''جن قوموں نے اتفاق کی رسی کو مضبوط پکڑا۔ وہ اس وقت تہذیب کے نصف النہار پر ہیں۔ جنھوں نے نفاق اور پھوٹ کی طرف رجوع کیا۔ تاریخ نے ان کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں''۔

وغیرہ وغیرہ۔

بچپن کے زمانے میں کسی درسی کتاب میں ''سنا ہے کہ دو بیل رہتے تھے اک جا'' والا واقعہ پڑھا تھا۔ اسے نکال کر نئے سرے سے پھر پڑھا اور اس کی تمام تفصیلات کو نوٹ کرلیا۔ پھر یاد آیا کہ ایک اور کہانی بھی پڑھی تھی۔ جس میں ایک شخص مرتے وقت اپنے تمام لڑکوں کو بلا کر لکڑیوں کا ایک گٹھا ان کے سامنے رکھ دیتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ اس گٹھے کو توڑو۔ وہ توڑ نہیں سکتے پھر اس گٹھے کو کھول کر ایک ایک

لکڑی ان سب کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ جسے وہ آسانی سے توڑ لیتے ہیں۔ اس طرح وہ اتفاق کا سبق اپنی اولاد کے ذہن نشین کراتا ہے۔ اس کہانی کو بھی لکھ لیا۔ تقریر کا آغاز سوچا تو کچھ اس طرح کی تمہید مناسب معلوم ہوئی کہ

پیارے ہم وطنو!

؎

گھٹا سر پہ اِدبار کی چھا رہی ہے
فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی ہے
نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہے
یہ چاروں طرف سے ندا آ رہی ہے
کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم
ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم

ہندوستان کے جس مایۂ ناز شاعر یعنی مولانا الطاف حسین حالیؔ پانی پتی نے آج سے کئی برس پیشتر یہ اشعار قلم بند کیے تھے اس کو کیا معلوم تھا کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جائے گا، اس کے یہ الم ناک الفاظ روز بروز صحیح تر ہوتے جائیں گے۔ آج ہندوستان کی یہ حالت ہے............... وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بعد سوچا کہ ہندوستان کی حالت کا ایک درد ناک نقشہ کھینچوں گا۔ افلاس، غربت اور بغض وغیرہ کی طرف اشارہ کروں گا۔ اور پھر پوچھوں گا کہ اس کی وجہ آخر کیا ہے؟ ان تمام وجوہ کو دہراؤں گا جو لوگ اکثر بیان کرتے ہیں۔ مثلاً غیر ملکی حکومت، آب و ہوا اور مغربی تہذیب لیکن ان سب کو باری باری غلط قرار دوں گا اور پھر اصلی وجہ بتاؤں گا کہ اصلی وجہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا نفاق ہے۔ آخر میں اتحاد کی نصیحت کروں گا اور تقریر کو اس شعر پر ختم کروں گا کہ

؎

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

دس بارہ دن اچھی طرح غور کر لینے کے بعد میں نے اس تقریر کا ایک خاکہ سا بنا لیا اور اس کو ایک کاغذ پر نوٹ کر لیا تا کہ جلسے میں اسے اپنے سامنے رکھ سکوں۔ وہ خاکہ کچھ اس طرح کا تھا۔

۱۔ تمہید۔ اشعار حالی (بلند اور درد ناک آواز سے پڑھو)

۲۔ ہندوستان کی موجودہ حالت

(الف) افلاس

(ب) بغض

(ج) قومی رہنماؤں کی خود غرضی

۳۔ اس کی وجہ

کیا غیر ملکی حکومت ہے؟ نہیں

کیا آب وہوا ہے؟ نہیں

کیا مغربی تہذیب ہے؟ نہیں

تو پھر کیا ہے؟ (وقفہ جس کے دوران میں مسکراتے ہوئے تمام حاضرین جلسہ پر ایک نظر ڈالو)

۴۔ پھر بتاؤ کہ وجہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا نفاق ہے۔ (نعروں کے لیے وقفہ) اس کا نقشہ کھینچو۔ فسادات وغیرہ کا ذکر رقت انگیز آواز میں کرو۔

(اس کے بعد شاید چند نعرے بلند ہوں۔ ان کے لیے ذرا ٹھہر جاؤ)

۵۔ خاتمہ۔ عام نصائح۔ خصوصاً اتحاد کی تلقین (شعر)

اس کے بعد انکسار کے انداز میں جا کر اپنی کرسی پر بیٹھ جاؤں اور لوگوں کی داد کے جواب میں ایک ایک لمحے کے بعد حاضرین کو سلام کرتے رہو)

اس خاکے کو تیار کر چکنے کے بعد، جلسے کے دن تک ہر روز اس پر ایک نظر ڈالتا رہا اور آئینے کے

سامنے کھڑے ہو کر بعض معرکۃ الآرا فقروں کی مشق کرتا رہا۔ نمبر ۳ کے بعد کی مسکراہٹ کی خاص مشق بہم پہنچائی۔ کھڑے ہو کر دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں گھومنے کی عادت ڈالی تا کہ تقریر کے دوران میں آواز سب طرف پہنچ سکے اور سب لوگ اطمینان کے ساتھ ایک ایک لفظ سن لیں۔

مرید پور کا سفر آٹھ گھنٹے کا تھا۔ رستے میں سانگا کے سٹیشن پر گاڑی بدلنی پڑتی تھی۔ "انجمن نوجوانانِ ہند" کے بعض جوشیلے ارکان وہاں استقبال کو آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے ہار پہنائے اور کچھ پھل وغیرہ کھانے کو دیے۔ سانگا سے مرید پور تک ان کے ساتھ اہم سیاسی مسائل پر بحث کرتا رہا۔ جب گاڑی مرید پور پہنچی تو سٹیشن کے باہر کم از کم تین ہزار آدمیوں کا ہجوم تھا جو متواتر نعرے لگا رہا تھا۔ میرے ساتھ جو والنٹیر تھے۔ انھوں نے کہا "سر باہر نکالیے۔ لوگ دیکھنا چاہتے ہیں"۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ ہار میرے گلے میں تھے ایک سنگترہ میرے ہاتھ میں تھا۔ مجھے دیکھا تو لوگ اور بھی جوش کے ساتھ نعرہ زن ہوئے۔ بمشکل تمام باہر نکلا۔ موٹر میں مجھے سوار کرایا گیا اور جلوس، جلسہ گاہ کی طرف چلا۔

جلسہ گاہ میں داخل ہوئے تو ہجوم پانچ چھے ہزار تک پہنچ چکا تھا۔ جو یک آواز ہو کر میرا نام لے لے کر نعرے لگا رہا تھا۔ دائیں بائیں سرخ سرخ جھنڈوں پر مجھ خاکسار کی تعریف میں چند کلمات بھی درج تھے۔ مثلاً ہندوستان کی نجات تمھیں سے ہے"۔ "مرید پور کے فرزند خوش آمدید"۔ "ہندوستان کو اس وقت عمل کی ضرورت ہے"۔

مجھ کو سٹیج پر بٹھایا گیا۔ صدر جلسہ نے لوگوں کے سامنے مجھ سے بغل گیر ہو کر میری پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر اپنی تعارفی تقریر یوں شروع کی:

"حضرات! ہندوستان کے جس نامی اور بلند پایہ لیڈر کو آج کے جلسے میں تقریر کے لیے بلایا گیا ہے.............."

تقریر کا لفظ سن کر میں نے اپنی تقریر کے تمہیدی فقروں کو یاد کرنے کی کوشش کی لیکن اس وقت ذہن اس قدر مختلف تاثرات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا کہ نوٹ دیکھنے کی ضرورت پڑی۔ جیب میں ہاتھ ڈالا تو

نوٹ ندارد۔ ہاتھ پاؤں میں یکلخت ایک خفیف سی خنکی محسوس ہوئی ۔ دل کو سنبھالا کہ ٹھہرو، ابھی اور کئی جیبیں ہیں۔ گھبراؤ نہیں۔ رعشے کے عالم میں سب جیبیں دیکھ ڈالیں لیکن وہ کاغذ نہ ملا۔ تمام ہال آنکھوں کے سامنے چکر کھانے لگا۔ دل نے زور زور سے دھڑکنا شروع کیا۔ ہونٹ خشک ہوتے محسوس ہوئے۔ دس بارہ دفعہ تمام جیبوں کو ٹٹولا لیکن کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔ جی چاہا کہ زور زور سے رونا شروع کردوں۔ بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگا۔ صدر جلسہ اپنی تقریر برابر کر رہے تھے۔

"مرید پور کا شہران پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ ہر صدی اور ہر ملک میں صرف چند ہی ایسے اشخاص پیدا ہوتے ہیں جن کی ذات، نوعِ انسان کے لیے..................."۔

خدایا اب میں کیا کروں؟ ایک تو ہندوستان کی حالت کا نقشہ کھینچنا ہے۔ نہیں، اس سے پہلے یہ بتانا ہے کہ ہم کتنے نالائق ہیں۔ نالائق کا لفظ تو غیر موزوں ہوگا۔ جاہل کہنا چاہیے۔ یہ بھی ٹھیک نہیں۔ غیر مہذب۔

"..............ان کی اعلیٰ سیاست دانی۔ ان کا قومی جوش اور مخلصانہ ہمدردی سے کون واقف نہیں۔ یہ سب باتیں تو خیر آپ جانتے ہیں لیکن تقریر کرنے میں جو ملکہ ان کو حاصل ہے................"

ہاں وہ تقریر کاہے سے شروع ہوتی ہے؟ ہندو مسلم اتحاد پر تقریر، چند نصیحتیں ضرور کرنی ہیں لیکن وہ تو آخر میں ہیں۔ وہ بیچ میں مسکرانا کہاں تھا؟

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے دل ہلا دیں گے اور آپ کو خون کے آنسو رلائیں گے..........."

صدر جلسہ کی آواز نعروں میں ڈوب گئی۔ دنیا میری آنکھوں کے سامنے تاریک ہو رہی تھی۔ اتنے میں صدر نے مجھ سے کہا.......... مجھے الفاظ بالکل سنائی نہ دیے۔ اتنا محسوس ہوا کہ تقریر کا وقت سر پر آن پہنچا ہے اور مجھے اپنی نشست پر سے اٹھنا ہے۔ چنانچہ ایک نامعلوم طاقت کے زیر اثر اٹھا "کچھ لڑکھڑایا"۔ لیکن پھر سنبھل گیا۔ میرا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ ہال میں ایک شور تھا۔ میں بے ہوشی سے ذرا ہی ورے تھا اور نعروں

کی گونج ان لہروں کے شور کی طرح سنائی دے رہی تھیں جو ڈوبتے ہوئے انسان کے سر پر سے گزر رہی ہوں۔ تقریر شروع کہاں سے ہوتی ہے؟ لیڈروں کی خودغرضی بھی ضرور بیان کرنی ہے اور کیا کہنا ہے؟ ایک کہانی بھی تھی۔ بگلے اور لومڑی کی کہانی۔ نہیں ٹھیک ہے دو بیل..................."۔

اتنے میں ہال میں سناٹا چھا گیا۔ لوگ سب میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور سہارے کے لیے میز کو پکڑ لیا۔ میرا دوسرا ہاتھ بھی کانپ رہا تھا۔ وہ بھی میں نے میز پر رکھ دیا۔ اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میز بھاگنے کو ہے اور میں اسے روکے کھڑا ہوں۔ میں نے آنکھیں کھولیں اور مسکرانے کی کوشش کی۔ گلا خشک تھا۔ بصد مشکل میں نے یہ کہا:

"پیارے ہم وطنو!"

آواز خلاف توقع بہت ہی باریک اور منحنی سی نکلی۔ ایک دو شخص ہنس دیئے۔ میں نے گلے کو صاف کیا تو اور کچھ لوگ ہنس پڑے۔ میں نے جی کڑا کر کے زور سے بولنا شروع کیا۔ پھیپھڑوں پر یک لخت جو یوں زور ڈالا تو آواز بہت ہی بلند نکل آئی۔ اس پر بہت سے لوگ کھِل کھِلا کر ہنس پڑے۔ ہنسی تھمی تو میں نے کہا:

"پیارے ہم وطنو!"

اس کے بعد ذرا دم لیا اور پھر کہا:

"پیارے ہم وطنو!"

کچھ یاد نہ آیا کہ اس کے بعد کیا کہنا ہے۔ بیسیوں باتیں دماغ میں چکر لگا رہی تھیں لیکن زبان تک ایک نہ آتی تھی۔

"پیارے ہم وطنو!"

اب کے لوگوں کی ہنسی سے میں بھنا گیا۔ اپنی توہین پر بڑا غصہ آیا۔ ارادہ کیا کہ اس دفعہ جو منہ میں آیا کہہ دوں گا۔ ایک دفعہ تقریر شروع کردوں تو پھر کوئی مشکل نہ رہے گی۔

"پیارے ہم وطنو! بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان کی آب وہوا خراب یعنی ایسی ہے کہ ہندوستان میں بہت سے نقص ہیں۔۔۔ سمجھے آپ؟ (وقفہ۔۔۔) نقص ہیں لیکن یہ بات یعنی امر جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔ گویا چنداں صحیح نہیں"۔ (قہقہہ)۔

حواس معطل ہو رہے تھے۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آخر تقریر کا سلسلہ کیا تھا۔ یکلخت بیلوں کی کہانی یاد آئی اور راستہ کچھ صاف ہوتا دکھائی دیا۔

"ہاں تو بات دراصل یہ ہے کہ ایک جگہ دو بیل اکٹھے رہتے تھے جو باوجود آب وہوا اور غیر ملکی حکومت کے" (زور کا قہقہہ)

یہاں تک پہنچ کر محسوس کیا کہ کلام کچھ بے ربط سا ہو رہا ہے۔ میں نے کہا، چلو وہ لکڑی کے گٹھے کی کہانی شروع کر دیں۔

"مثلاً آپ لکڑیوں کے ایک گٹھے کو لیجیے۔ لکڑیاں اکثر مہنگی ملتی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں افلاس بہت ہے۔ گویا چونکہ اکثر غریب ہیں۔ اس لیے گویا لکڑیوں کا گٹھا یعنی آپ دیکھیے نا کہ اگر"۔

(بلند اور طویل قہقہہ)

"حضرات! اگر آپ نے عقل سے کام نہ لیا تو آپ کی قوم فنا ہو جائے گی۔ نحوست منڈلا رہی ہے۔" (قہقہے اور شور وغوغا۔۔۔ اسے باہر نکالو ہم نہیں سنتے)

؎ شیخ سعدی نے کہا ہے کہ
چو از قومے یکے بے دانشی کرد

(آواز آئی: کیا بکتا ہے) خیر اس بات کو جانے دیجیے۔ بہر حال اس بات میں تو کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ:

؎ آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

NOT FOR SALE

اس شعر نے دوران خون کو تیز کر دیا۔ ساتھ ہی لوگوں کا شور بھی زیادہ ہو گیا۔ چنانچہ میں بڑے جوش سے بولنے لگا:

"جو قومیں اس وقت بیداری کے آسمان پر چڑھی ہوئی ہیں، اُن کی زندگیاں لوگوں کے لیے شاہراہ ہیں اور ان کی حکومتیں چار دانگِ عالم کی بنیادیں ہلا رہی ہیں۔ (لوگوں کا شور اور ہنسی اور بھی بڑھتی گئی) آپ کے لیڈروں کے کانوں پر خود غرضی کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ دنیا کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ زندگی کے وہ تمام شعبے۔۔۔۔۔"

لیکن لوگوں کا غوغا اور قہقہے اتنے بلند ہو گئے کہ میں اپنی آواز بھی نہ سن سکتا تھا۔ اکثر لوگ اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور گلا پھاڑ پھاڑ کر کہہ رہے تھے ____ میں سر سے پاؤں تک کانپ رہا تھا۔ ہجوم میں سے کسی شخص نے بارش کے پہلے قطرے کی طرح ہمت کر کے سگریٹ کی ایک خالی ڈبیا مجھ پر پھینک دی۔ اس کے بعد چار پانچ کاغذ کی گولیاں میرے اردگرد سٹیج پر آ گریں لیکن میں نے اپنی تقریر کا سلسلہ جاری رکھا۔

"حضرات! تم یاد رکھو تم تباہ ہو جاؤ گے"

"تم دو بیل ہو۔۔۔۔۔۔۔"

لیکن جب بوچھاڑ بڑھتی ہی گئی۔ تو میں نے اس نامعقول مجمع سے کنارہ کشی ہی مناسب سمجھی۔ اسٹیج سے پھلانگا اور زقند بھر کے دروازے میں سے باہر کا رخ کیا۔ ہجوم بھی میرے پیچھے لپکا۔ میں نے مڑ کر پیچھے نہ دیکھا بلکہ سیدھا بھاگتا گیا۔ وقتاً فوقتاً بعض نامناسب کلمے میرے کانوں تک پہنچ رہے تھے۔ اُن کو سن کر میں نے اپنی رفتار اور بھی تیز کر دی اور سیدھا اسٹیشن کا رخ کیا۔ ایک ٹرین پلیٹ فارم پر کھڑی تھی۔ میں بے تحاشا اس میں گھس گیا۔ ایک لمحے کے بعد وہ ٹرین وہاں سے چل دی۔

اُس دن کے بعد آج تک نہ مرید پور نے مجھے مدعو کیا ہے نہ مجھے خود وہاں جانے کی کبھی خواہش پیدا ہوئی ہے۔

(پطرس کے مضامین)

NOT FOR SALE

مشق

۱۔ درج ذیل سوالات کے جوابات لکھیں۔

(الف) لیڈر کے اپنے گاؤں (مرید پور) نہ جانے پر لوگ کیا تبصرے کرتے تھے؟

(ب) بھتیجے نے اپنے چچا کو کس طرح مرید پور کا ''قومی لیڈر'' قرار دلوایا؟

(ج) لیڈر نے اپنی تقریر کے لیے کون سے نکات اکٹھے کیے؟

(د) مرید پور میں لیڈر کا استقبال کس طرح ہُوا؟

(ہ) جلسے کے دوران لیڈر کے بدحواس ہونے کی کیا وجہ تھی؟

(و) تقریر کے دوران لیڈر کا کیا حشر ہوا؟

۲۔ خالی جگہ مناسب الفاظ سے پُر کریں۔

(الف) خُدا آپ سب پڑھنے والوں کو انصاف کی ______ دے۔

(ب) خط پڑھ کر میری ______ کی انتہا نہ رہی۔

(ج) لیڈری کا ______ ایک لمحے میں ہی چڑھ جاتا ہے۔

(د) گھٹا سر پہ ______ کی چھا رہی ہے۔

(ہ) دنیا میری آنکھوں کے سامنے ______ ہو رہی تھی۔

۳۔ اس مضمون کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

۴۔ اس مضمون سے کم از کم پانچ وصلی جملے تلاش کر کے لکھیں۔

۵۔ اس مضمون سے کم از کم پانچ ایسے جملے تلاش کر کے لکھیں جن میں امدادی افعال ہوں۔

۶۔ درج ذیل الفاظ پر اُن کے معنی کے مطابق اعراب لگائیں۔

جل (پانی)	جل (دھوکا)	دور (زمانہ)	دور (فاصلہ)
قسم (عہد، ارادہ)	قسم (طرح، طرز)	گل (مٹی)	گل (پھول)
منت (التجا)	منت (نیت، عہد)	نفس (سانس)	نفس (روح، وجود)
ملکہ (صلاحیت)	ملکہ (بادشاہ کی بیوی)		

۷۔ کسی تقریب یا جلسے کی روداد لکھیں۔

۸۔ اس مضمون سے کم از کم پانچ ایسے جملے لکھیں جن میں ''کہ'' کا استعمال ہو۔

۹۔ ذیل میں متن کے مفہوم کے مطابق مختلف جملے لکھے گئے ہیں۔ آپ ان کے سامنے ''درست'' یا ''غلط'' لکھیں۔

ا۔ میں اپنے وطن میں نہ جانے کی وجہ سے مشکوک ہو گیا تھا۔

ب۔ میں کانگرس کے جلسوں میں ذوق وشوق سے شریک ہوتا تھا۔

ج۔ میرے بھتیجے نے تمام خطوط نشر کر دیے۔

د۔ مصنف مرید پور کا رہنے والا تھا۔

ہ۔ مرید پور کے لوگ مصنف سے حسد کرنے لگے تھے۔

و۔ متحد قومیں ہی بامِ عروج حاصل کرتی ہیں۔

ز۔ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔

ح۔ صدر جلسہ نے پرتپاک استقبال کیا۔

ط۔ مصنف نے انتہائی مؤثر تقریر کی۔

ی۔ مصنف نے تقریر ختم کی تو لوگوں نے تعریف شروع کر دی۔